پست اور اونچی آواز کے مابین تلاوت قرآن۔ قرآن کو نہ ماننے والوں کا مقابلہ کیا۔ ایک مرد کے مقابلے میں شہادت کے لیے دو عورتیں۔ خدا کے لیے جمع کا صیغہ۔ حضورؐ کا تیوری چڑھانا۔

شاہ پور شہر سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:

۱۔ قرآن مجید نے جہر (اونچی آواز سے) اور خفت (خاموش) پڑھنے سے منع فرمایا ہے، درمیانی راہ کون سی ہے؟

۲۔ کفار قرآن کو مانتے ہی نہیں تھے، تو ان سے مطالبہ کرنا کہ اس کی مثل بنا کر لاؤ۔ عجیب مطالبہ ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے شہادت کے لیے عورتوں کے لیے دو عدد مقرر کرنے کی یہ علت بتائی ہے کہ: ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے، کیا مرد نہیں بھولتے؟

۴۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں جمع کا صیغہ بھی استعمال کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید خدا کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

۵۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی میں نابینا صحابی کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ: حضورؐ نے تیوری چڑھائی، وہ تو نابینا تھے، تیوری چڑھانے کا اس کو کیسے پتہ لگ سکتا تھا؟ (مختصراً)

الجواب

جہر اور آہستہ پڑھنا۔ قرآن حکیم میں آیت ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ع ۱۲)

"نماز میں نہ تو پکار کر پڑھیے اور نہ بالکل چپکے (بلکہ) دونوں کے درمیان ایک میانہ طریقہ اختیار کیجیے"۔

جہر۔ یہاں جہر سے مراد ضرورت سے زیادہ اونچی آواز میں پڑھنا، دوسروں کے کان کھانا اور غیر متعلق آدمیوں کو سنانا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ باجماعت نماز ہو تو مقتدیوں تک تقریباً آواز رہے، تنہا ہو تو اپنی ذات کی حد تک محدود رہے اس سے زیادہ آواز نہیں چاہیے۔ غرض یہ ہے کہ: وقار اور سنجیدگی بہر حال ملحوظ رہے۔ اور سننے والا یہ محسوس نہ کرے کہ: کہرام مچ گیا ہے۔

چپکے چپکے۔ چپکے چپکے اور آہستہ آہستہ پڑھنے سے مراد ایسا پڑھنا ہے کہ متعلقہ افراد کو بھی پتہ نہ چلے، نماز باجماعت ہو تو مقتدی، اکیلا ہو تو خود اپنی ذات کی حد تک رہے کہ ان کو محسوس ہو کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔

حدیث میں اس کی مثال حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ والا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آہستہ پڑھ رہے تھے تو اس سے فرمایا، اس سے کچھ اور اونچا پڑھو، اور حضرت عمرؓ اونچی آواز میں پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا، اس سے کچھ آہستہ پڑھو۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج لیلۃ فاذا ھو بابی بکر یصلی ویخفض من صوتہ ومر بعمر وھو یصلی رافعا صوتہ قال فلما اجتمعا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یا ابابکر مررت بک وانت تصلی تخفض صوتک قال قد اسمعت من ناجیت یارسول اللہ وقال لعمر مررت بک وانت تصلی رافعا صوتک فقال یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ابابکر ارفع من صوتک شیئا وقال لعمر اخفض من صوتک شیئا (ابوداؤد)

یعنی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: ایک رات حضورؐ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں (مگر) آہستہ آواز میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ اونچی آواز سے نماز (نوافل) پڑھ رہے تھے، (اتفاق سے) جب وہ دونوں حضورؐ کے پاس اکٹھے ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

اے ابوبکرؓ! میں آپ کے پاس سے گزرا تو آپ آہستہ آواز میں نماز پڑھ رہے تھے، عرض کی حضورؐ! میں جس (ذات پاک) سے مناجات کر رہا تھا میں (صرف) اسے ہی سنا رہا تھا"

(پھر) حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں آپ کے پاس سے گزرا تو آپ اونچی آواز میں نماز پڑھ رہے تھے! تو عرض کی حضورؐ!

میں نیند سے بوجھل لوگوں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا"

پھر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، کہ آپ تھوڑا سا اور اونچا پڑھا کریں اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ کچھ آہستہ آواز رکھیں"

یہ روایت مندرجہ بالا آیت کی صحیح تفسیر پیش کر رہی ہے۔

کفار کا قرآن کو نہ ماننا۔ دراصل آپ بات کو نہیں سمجھے! بات یہ نہیں کہی جا رہی ہے کہ تم قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہو تو اس کے مقابلے میں تم بھی کوئی نمونہ پیش کرو، کیونکہ یہ بے تکی بات ہے۔ دراصل ان سے کہا یہ جا رہا ہے کہ: اگر تم کہتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ حضورؐ کا یہ اپنا کلام ہے تو تم بھی عربی ہو، تو کلام کا ایسا نمونہ تم بھی پیش کر دکھاؤ، ورنہ یہی کہنا پڑے گا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، جس کے مقابلے سے دنیا عاجز ہے اور تم بھی قاصر ہو! یہ بالکل سیدھی سی بات ہے، بشرطیکہ سمجھنے کی کوشش کی جائے!